سمٰوٰت طباقا ما تریٰ فی خلق الرحمن من تفاوت فارجع البصر هل تریٰ من فطور ﴿﴾ [الملک/۳] ''جس نے تہ در تہ سات آسمان پیدا فرمائے، (اے مخاطب!) تُو اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں کوئی نقص اور خلل نہیں پائے گا، اور دوبارہ نگاہیں جما کر دیکھ! کیا تجھے آسمانوں میں کوئی شگاف نظر آتا ہے؟''

فائدہ[۱۰]: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کائنات کو ایک ہی لمحے میں پیدا فرما سکتا تھا، لیکن خاص حکمت کے پیش نظر اس کام کو چھ دنوں میں پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آسمان ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ محض بلندی کو ''سماء'' سے تعبیر نہیں کیا گیا ہے۔ یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ آسمانوں کی تعداد سات ہے۔ اس سے علم ہیئت کے نام نہاد ''ماہرین'' کے اس دعوے کی تردید ہوتی ہے، جو آسمانوں کی تعداد نو بتلاتے ہیں۔ بعض احادیث وآثار کے مطابق دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ زمین کی بابت اللہ نے بیان فرمایا ہے: ﴿الله الذی خلق سبع سمٰوٰت و مِنَ الارضِ مِثْلَهُن﴾ [الطلاق ۱۲] ''......اور زمین بھی آسمان کی طرح ہے۔'' اس سے زمین کی تعداد بھی سات معلوم ہوتی ہے۔ اس کی تائید اس حدیث نبوی سے ہوتی ہے: ''من اخذ شبراً من الارض ظلماً فانه يطوقه يوم القيامة من سبع ارضين'' [البخاری، بدء الخلق، باب ما جاء فی سبع ارضین] ''جس کسی نے ظلم کرتے ہوئے کسی کی ایک بالشت زمین لے لی، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے روز ساتوں زمینوں کا طوق پہنائے گا۔'' [ابن کثیر، الشوکانی، معارف القرآن، احسن البیان]

فائدہ[۱۰]: ﴿وهو بكل شئ عليم﴾ عبداللہ بن عباسؓ اس کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں: ''اللہ کی ذات ایک ایسی عظیم ذات ہے جس کا علم ہر ایک کے بارے میں کامل و مکمل ہے۔'' [الطبری، التفسیر الصحیح]

اس آیت میں پہلے مخلوقات کی تخلیق کا، پھر ہر چیز کے ساتھ محیط علم الٰہی کا ذکر فرمایا۔ یہ اسلوب قرآن مجید میں بہت زیادہ ہے، جیسے: ﴿ألا يعلم من خلق و هو اللطيف الخبير ﴿﴾ [الملک ۱۴] ''کیا وہ نہیں جانتا جس نے خود پیدا فرمایا ہے، پھر وہ انتہائی باریک بین اور باخبر بھی ہے۔'' جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تخلیق فرمائی تو اس کا علم بھی ان کے بارے میں کامل واکمل ہے۔ کیا سب کا خالق اپنی مخلوق سے لاعلم رہ سکتا ہے!؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جب اللہ دلوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے تو بندوں کو چاہیے کہ ہمیشہ اللہ کے عذاب وعقاب سے ڈرتے رہیں اور اس کی رحمتوں کے امیدوار رہیں، اور اللہ کے غضب ولعنت کو دعوت دینے والے افعال واقوال سے بچتے رہیں۔

[السعدی، ابن العثیمین]

درسِ حدیث

راستوں میں بیٹھنے کے احکام وآداب

ثناءاللہ عبدالرحیم

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: **"ایاکم والجلوس فی الطرقات"** فقالوا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما لنا من مجالسنا بُدّ نتحدث فیھا. فقال **" فاذا ابیتم الا المجلس فاتوا الطریق حقه "** فقالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ما حق الطریق ؟ قال: **" غض البصر وکف الاذیٰ و رد السلام والامر بالمعروف والنھی عن المنکر "**

تخریج: صحیح البخاری مع الفتح ۱۱/۸ حدیث:۶۲۲۹ ،کتاب الاستئذان، و کتاب المظالم،باب افنیة الدور والجلوس فیھا حدیث:۲٤٦٥ الفتح۵/۱۱۲، وصحیح مسلم ،کتاب اللباس مع المنھاج ۱۰۲/۱۳، وابوداؤد کتاب الادب ۵/۱۵۹مع معالم السنن حدیث:٤۸۱۵، ومسند احمد ۳/۲٤،٤۷]

راوی حدیث: حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کنیت سے مشہور ہیں۔آپ کا نام ونسب یہ ہے:سعد رضی اللہ عنہ بن مالک رضی اللہ عنہ بن سنان بن عبید بن ثعلبة بن الأبجر (خُدرَة) بن عوف بن الحارث بن الخزرج الانصاری الخزرجی [الاصابة ۳/٦٤، اسد الغابة :۲۰۳۵ ، الطبقات الکبریٰ ۹/۸۰] آپ کے والد مالک رضی اللہ عنہ نے ہجرت سے چند سال قبل بنی عدی بن نجار میں ایک بیوہ سے شادی کر لی تھی۔مدینے میں تبلیغ اسلام کا سلسلہ بیعت عقبہ سے جاری تھا،آپ کے والدین رضی اللہ عنہما نے انہی ایام میں اسلام قبول کرلیا تھا۔لہٰذا ابوسعید رضی اللہ عنہ نے مسلمان ماں باپ کی آغوش میں تربیت پائی۔

غزوات: ابوسعید رضی اللہ عنہ کی عمر غزوہ احد کے موقع پر تیرہ برس تھی،کم سنی کی وجہ سے آپ کو میدانِ وغا میں دادِ شجاعت دینے کی اجازت نہ ملی،اس کے بعد بارہ غزوات میں شمولیت کا شرف حاصل کیا۔اور بعض لشکروں پر آپ رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کیا گیا۔عہد نبوت کے بعد آپ نے مدینہ نبویہ ہی میں قیام کیا۔عہد فاروقی اور خلافت عثمانی میں فتویٰ بھی صادر کرتے تھے اور حضرت علیؓ کے دور میں آپ نے جنگ نہروان میں نہایت جوش وخروش سے حصہ لیا۔[مسند احمد ۳/٥٦]

علم وفضل: امام ابن حجرؒ کہتے ہیں:حضرت ابوسعیدؓ ان اصحاب کرامؓ میں سے ہیں جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث منقول ہیں۔آپؓ نے خلفائے راشدینؓ اور زید بن ثابتؓ سمیت متعدد صحابہ کرامؓ سے روایت کی ہے۔امام حنظلة بن

ابی سفیانؒ نے اپنے اساتذہ سے نقل کیا ہے: ''کان ابو سعیدؓ من افقه احداث الصحابة'' یعنی ابوسعیدؓ کم سن صحابہ کرامؓ میں سے بہت بلند پائے کے فقیہ تھے۔ خطیب بغدادیؒ نے کہا: ''کان من افاضل الصحابة وحفظ حدیثاً کثیراً'' آپؓ افاضل صحابہؓ میں سے تھے، آپ نے بہت سی احادیث یاد کرلی تھیں۔ اسی لیے آپ سے بہت سے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے احادیث نبویہ روایت کی ہے۔ آپؓ کی مرویات کی تعداد تقریباً (۱۱۷۰) ہے۔[سیر الصحابہ:۳/۱۸۵] آپ کا حلقہ درس تشنگانِ علمِ دین سے معمور رہتا تھا۔ جولوگ کوئی خاص سوال پوچھنا چاہتے، انہیں بہت دیر سے موقع ملتا تھا۔[احمد ۳/۳۵]

اخلاق وعادات: آپؓ نہایت حق گواور بے باک تھے۔ کہا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حق گوئی کی خاص تأکید فرماتے ہوئے سنا ہے، لیکن کاش یہ حکم نہ سنا ہوتا۔ امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں جب چند نئی باتیں ظاہر ہوئیں تو آپؓ سفر کرکے ان کے پاس حاضر ہوئے اور تمام ناگوار باتوں کی نشاندہی کی۔ اسی طرح جب مدینے کے گورنر مروان نے عید کے دن منبر نکلوایا اور نماز عید سے قبل خطبہ دینے لگا تو ایک شخص نے انہیں برملا ٹوکا، اس پر آپؓ نے بھی اس شخص کی حمایت میں آواز بلند کی اور بطور دلیل حدیث پیش کی۔

وفات: آپؓ ۷۴ھ میں ایک جمعہ کے روز انتقال کر گئے اور جنت البقیع میں دفنائے گئے۔ (بعض مؤرخین نے ۶۴ یا ۶۵ھ بتایا ہے) اس طرح آپ تقریباً ۷۴ یا ۸۶ برس عمر پاکر اس دار فانی کو خیر باد کہہ گئے۔﴿انا لله وانا الیه راجعون﴾

[الاصابة ۳/۶۵،اسد الغابة:۲۰۳۵، الاستیعاب :۹۵۸،الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۴/۴۰۷ الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۹/۸۰ ،مسند احمد ۳/۵۶ ،سیر الصحابة ۳/۱۸۵]

ترجمہ حدیث: حضرت ابوسعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **''تم راستوں میں بیٹھنے سے اجتناب کرو۔''** صحابہؓ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہمارے لیے اس کے بغیر چارہ نہیں، ہم ان مجلسوں میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **''اگر تم بیٹھے بغیر رہ نہیں سکتے تو راستے کا حق ادا کرنے کا اہتمام کرو۔''** صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا: ''اللہ کے رسول (ﷺ) ! راستے کا حق کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: **''نگاہ پست رکھنا، تکلیف دہ چیزوں کو ہٹادینا، ایذارسانی سے بچے رہنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے منع کرنا۔''**

لغوی تشریح: ''ایاکم'' یہ اداۃِ تحذیر ہے، یعنی اس کے ذریعے مخاطب کو کسی خطرناک چیز سے آگاہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ [فتح الباری ۱۱/۱۰] **''الجلوس فی الطرقات''** راستوں اور گزرگاہوں میں بیٹھے رہنا۔ طُرُقات 'طُرُق' کی، اور طُرُق 'طَرِیق' کی جمع ہے۔ پس طُرُقات جمع الجمع ہے۔ جس سے مراد راستے اور گزرگاہیں ہیں۔ بعض روایات میں طرقات کی

جگہ صُعُدات آیا ہے، دونوں کا مفہوم ایک ہے۔ اور صَعِید کشادہ جگہ کو کہا جاتا ہے۔ اور ایک روایت میں "مجالس الصُعُدات" آیا ہے۔ "جلوس" کا معنی مجلس ہے۔[فتح الباری ۱۱/ ۱۰] "مَالَنَا بُدّ" یعنی ہمارے لیے ایسی مجالس قائم کرنا ضروریات زندگی میں سے ہے۔ اور لفظ: "بُدّ" کا اصل معنی "فُرقَة" یعنی جدائی ہے یعنی ان مجلسوں سے الگ رہنا ممکن نہیں۔ بعض روایات میں "لَا بُدّ" آیا ہے۔ "فاذا ابیتم الا المجلس" یعنی "تمہیں بیٹھے بغیر چارہ ہی نہ ہو" یہاں کسی امرِ شرعی کا انکار مراد نہیں، اور نہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں ایسا تصور کرنا کسی مسلمان کے لیے زیبا ہے۔ اس کی وضاحت صحیح مسلم کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **"ما لکم و لمجالس الصعدات ؟!"** فقلنا: "انما قعدنا لغیر ما بأس" **"کیا بات ہے کہ تم راستوں میں مجلسیں جمائے رہتے ہو؟!"** صحابہؓ نے عرض کیا: "ہم تو یہاں ایسے کام کے لیے بیٹھے ہیں، جس میں (شرعاً) کوئی حرج نہیں۔" [صحیح مسلم، کتاب السلام ۱۴/ ۱۴۱]

تشریح: یہ ایسی جامع حدیث ہے جس میں معاشرتی زندگی کے زرین اصول اجاگر کیے گئے ہیں۔ انسان فطری طور پر شہری ہوتا ہے، یعنی وہ زندگی کے لوازمات پوری کرنے کے لیے دوسروں کے تعاون کا محتاج ہوتا ہے، وہ معاشرے سے الگ تھلگ رہ کر زندگی نہیں گزار سکتا۔ عموماً انسان اپنی تھکن یا اکتاہٹ دور کرنے کے لیے گھر سے باہر عام مجلسوں میں جاتا ہے اور یہ مجالس عام طور پر بازاروں اور راستوں میں منعقد ہوتی ہیں۔ اسی ضرورت کے پیش نظر صحابہ کرامؓ بھی راستوں میں ایسی محافل برپا کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔ اور ان کی مجبوریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے راستوں اور گزرگاہوں میں بیٹھنے کی اجازت چند شرائط کے ساتھ عطا فرمائی۔

چونکہ راستے معاشرے کی اجتماعی ملکیت اور اہم ترین انسانی ضرورت ہیں، اس لیے یہاں مجلسیں جما کر بیٹھنا درست نہیں۔ اس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے، بالخصوص پردہ دار خواتین کو جو لوگوں کا سامنا کرنے کو پسند نہیں کرتیں۔ لیکن اگر بیٹھے بغیر چارہ ہی نہ ہو، جیسے اُس دور میں عام لوگوں کے گھر بہت تنگ تھے، نیز گھریلو اجتماع مخصوص افراد کے لیے مناسب ہوتے ہیں، کیونکہ گھروں میں داخلے کے لیے طلبِ اجازت کی شرعی ضرورت پیش آتی ہے، اور اکثر لوگ بلا ضرورت اجازت لینے کی زحمت نہیں اٹھاتے۔ نیز یہ اُس اہل خانہ کے لیے کوفت کا باعث بنتا ہے۔ اس قسم کی مجبوریوں کے پیش نظر شریعت اسلامیہ نے کھلی فضا میں عام محافل منعقد کرنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن اس اجازت سے استفادے کو چند اصلاحی اور مفید شرائط کی انجام دہی کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ ان شروط کی تکمیل کا ثمرہ یہ ہے کہ ایک تو انسان گناہوں سے بچا رہے، جیسے گزرنے والی خواتین سے نظر بچا کر رکھنا۔ دوسرے عام مسلمان بھائیوں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھنا اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے

ان کی اصلاح وخیر خواہی کرنا۔اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے راستے کے چند حقوق بیان فرمائے، جو درج ذیل ہیں:

[ا] **نگاہوں کو نیچے رکھنا:** تا کہ راستے میں گزرنے والی ایمان دار، عفت مآب اور شرم وحیا کی پیکر خواتین یا اپنے گھر کے دروازے میں کسی ضرورت سے کھڑی، یا کسی کام کے لیے چھت پر چڑھنے والی، یا کسی مجبوری سے کھڑکی میں سے جھانکنے والی عورت سے نظر بازی نہ کرے۔اس تفصیل کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نظریں لڑانے والی شوخ اور شریر لڑکیوں کو تکنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اسلام نے عفت وعصمت کی حفاظت کو مرد وعورت ہر دو جنسوں پر فرض کر دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ایماندار مرد اور عورت دونوں کو تمام حالات میں نگاہ نیچی رکھنے کی تاکید کی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قل للمؤمنین یغضوا من ابصٰرھم و یحفظوا فروجھم﴾ [النور/۳۰] ''اہل ایمان سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہوں کو پست رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں۔'' اور یہی حکم مؤمنہ عورتوں کے لیے بھی ہے۔ارشاد فرمایا: ﴿وقل للمؤمنٰت یغضضن من ابصٰرھن ویحفظن فروجھن﴾ [النور/۳۱] ''اور ایماندار خواتین کو بھی حکم دیجیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عزت وعفت کی خود حفاظت کا اہتمام کریں۔''

ان آیتوں کے علاوہ انسانی تجربات ومشاہدات کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ شرم گاہوں کی حفاظت کے لیے نگاہوں کی حفاظت سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، چونکہ نگاہوں کو بے لگام چھوڑنا انسان کو بدکاری اور زناکاری کی پستیوں میں گرا دینے کا ذریعہ بنتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**کتب علی ابن اٰدم حظه من الزنا، مدرک ذٰلک لامحالة، العینان زناھما النظر والاذنان زناھما الاستماع** ......'' [بخاری، کتاب الاستیذان، باب زنا الجوارح حدیث: ۶۲۴۳ مع الفتح ۱۱/۲۶ و حدیث: ۶۶۱۲] ''**ابن آدم (انسان) پر اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے، وہ اسے یقیناً پانے والا ہے۔ آنکھوں کا زنا** (نامحرم عورت کی طرف) **دیکھنا ہے، کانوں کا زنا** (نامحرم عورت کی آواز کو شہوانی جذبات سے) **سننا ہے۔**'' اسی جزوی زناکاری کو اللہ تعالیٰ نے ''**آنکھوں کی خیانت**'' سے تعبیر کیا ہے۔ارشاد الٰہی ہے: ﴿یعلم خائنة الاعین وما تخفی الصدور﴾ [غافر (مؤمن)/۱۹] ''**بے شک اللہ پاک آنکھوں کی خیانت اور سینوں میں چھپے ہوئے رازوں کو جانتا ہے۔**'' یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ آنکھوں کی اسی ''**خیانت**'' کے بارے میں بھی قیامت کو باز پرس ہوگی۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿و لا تقف ما لیس لک به علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنه مسئولا﴾ [الاسراء ۳۶] ''**ان چیزوں کا پیچھا نہ کرنا جن سے متعلق تیرے پاس کوئی یقینی علم نہ ہو، بے شک انسان کے کان، آنکھ اور دل سب کی بابت باز پرس ہوگی۔**'' اسی لیے غیر محرم عورت پر نگاہ پڑنے کی صورت میں فوراً نظر کو پھیر لینے کا حکم ہے۔حضرت جریرؓ کہتے ہیں:

"سالت رسول الله ﷺ عن نظر الفجاءة فقال" **اصرف بصرک**"[سنن ابی داؤد ، کتاب النکاح، باب ٤٤ حدیث:٢١٤٨،معالم السنن ٢/ ٦٠٩] "غیر محرم عورت پر اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں سوال کرنے پر اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:"**فوراً اپنی نگاہ پھیر لو۔**" لہٰذا بحیثیت مسلمان اپنی نگاہ کو ہر قسم کی نامحرم عورت سے بچا کر رکھنا ضروری ہے خواہ عفت مآب ہو یا چنچل، تا کہ اپنا ایمان اور اپنی عزت محفوظ رہے۔

[۲] **راستے سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا:** یہ عمل دیکھنے میں بالکل معمولی ہے، لیکن اللہ پاک کے نزدیک بہت اونچا مقام رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"الایمان بضع و سبعون شعبة فاعلاها قول لا اله الا الله ، وادناها اماطة الاذیٰ عن الطريق"[صحیح مسلم ٢/ ٣ مع المنہاج] "**ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں، ان میں سے اعلیٰ ترین شاخ کلمہ طیبہ کا اقرار کرنا ہے، اور کمتر ین ایمانی شاخ راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانا ہے۔**" ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"عرضت عليّ اعمال امتی حسنُها وسيئُها ،فوجدت في محاسن اعمالها الاذیٰ يماط عن الطريق "[صحیح مسلم ،کتاب المساجد ٥/ ٤٢] "**مجھ پر میری امت کے سب نیک و بد اعمال پیش کیے گئے، پس میں نے اس کے اچھے اعمال میں راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا بھی پایا**......" ایک اور حدیث میں ہے:"انه خلق كل انسان من بنی آدم علیٰ ستين وثلاثمائة مفصل ، فمن كَبَّرَ الله و حَمِدَ الله وهَلَّلَ الله و سَبَّحَ الله واسْتَغفَرَ الله و عَزَلَ حَجَراً عَن طَرِيقِ النَّاسِ او شَوْكَةً او عَظْماً عن طريق الناسِ او اَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ او نَهى عَنْ مُنْكَرٍ عَدَدَ السِّتِّيْنَ والثَّلاثِمائَةِ فانَّه يُمسِي يومئذٍ وقد زَحْزَحَ نَفسَه عن النّارِ" [صحیح مسلم ،کتاب الزکاۃ ٧/ ٩٣] "بنی آدم میں سے ہر انسان کی تخلیق تین سو ساٹھ جوڑوں پر ہوئی ہے، پس جس کسی نے "الله اکبر" کہا ، "الحمد لله" کہا، "لا اله الا الله" کہا، "سبحان الله" کہا، "استغفر الله" کہا، راستے سے کوئی پتھر ہٹایا، کوئی کانٹا یا ہڈی راستے سے دور کر دی، یا کسی نیکی کا حکم دیا، یا کسی برائی سے منع کیا۔ یہ امور مجموعی طور پر ایک دن میں 360 کی تعداد کو پہنچے تو وہ شخص اس روز شام ہونے تک اپنے تئیں جہنم کی آگ سے دور کر چکا ہوتا ہے۔" اور انہی اشیاء کو انسان کے ادا کردہ "صدقات" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

"کف الاذیٰ" کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ راستے سے گزرنے والوں کو کسی انداز میں ایذا نہ دے، چاہے گزرنے والا مرد ہو یا عورت ۔ سب و شتم ،عیب جوئی اور اعتراض بازی سے اجتناب کرے ۔گالم گلوچ ، مار کٹائی ، چھینا جھپٹی ایسی قبیح حرکتوں سے لوگوں کی آمد و رفت بند نہ کر دے اور نہ ایسی **جگہوں پر مجلسیں** قائم کریں، جس سے راستہ بالکل بند یا تنگ ہو

ہو۔ آج کل لوگ شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں راستے بالکل مسدود کر دیتے ہیں، جس سے بے شمار لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ یہ شرعی اور اخلاقی جواز کس طرح حاصل ہوسکتا ہے؟! جبکہ یہ تقریبات بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، اسراف وتبذیر اور دیگر شیطانی کاموں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت اور سمجھ عطا فرمائے۔

[۳] ''سلام کا جواب دینا'': یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی رُو سے واجب ہے: ﴿و اذا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا﴾ [النساء /٨٦] ''جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے بہتر سلام کہو، یا اسی کا جواب لوٹا دو'' سلام کی فضیلت میں بہت سی احادیث منقول ہیں۔ سلام مسلمانوں کا ایک خاص شعار ہے، اس میں ایک دوسرے کے لیے دنیوی و اخروی آفتوں سے سلامتی اور سکونِ قلب کی دعا ہے۔ اور اسی کو آپس میں الفت ومحبت اور بھائی چارگی کا ذریعہ ٹھہرایا ہے۔ جب مسلمان سلام کو پھیلاتا ہے تو یہ اس کے لیے جنت میں داخلے کا ذریعہ بنتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لا تدخلوا الجنة حتیٰ تؤمنوا ،ولاِ تؤمنوا حتیٰ تحابوا ، اولا ادلکم علیٰ شئ اذا فعلتموہ تحاببتم ! افشوا السلام بینکم'' [صحیح مسلم ، کتاب الایمان، ٢/ ٣٥] ''تم جنت میں جا ہی نہیں سکتے جب تک مؤمن نہ بنو، اور تم مؤمن نہیں بن سکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتلاؤں کہ جب تم اسے اختیار کرلو گے تو آپس میں محبت کرنے لگو گے!؟ (وہ چیز یہ ہے کہ) تم آپس میں سلام کو پھیلاؤ اور اسے عام کرو۔''

جب کوئی مسلمان اپنے دینی بھائی کو سلام کرتا ہے تو جواب دینا عام حالت میں ضروری ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سلام کا جواب دینا راستے کے حقوق میں شمار فرمایا تو اس صورت میں اس کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ جب کوئی مسلمان ''السلام علیکم'' کہے تو مجلس والا اس سے بہتر انداز میں جواب دیتے ہوئے کہے: ''وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته'' اور اگر سلام کرنے والا غیر مسلم ہو تو صرف ''وعلیکم'' کہہ دے۔

[۴] ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'': نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا دین اسلام کے وہ بنیادی اصول ہیں، جن سے کوئی مسلمان عہدہ برآ نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس کی صحیح انجام دہی معاشرے کی درستی کے لیے ناگزیر ہے۔ اور یہ عمل ہر مسلمان پر اپنی صلاحیت اور حیثیت کے مطابق واجب ہوتا ہے۔ علماء کی اس میں ذمہ داری عوام الناس سے زیادہ ہے۔ اور اسی فریضے کی بجا آوری کی وجہ سے امتِ اسلامیہ کو ''خیر امت'' کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنکر﴾ [آل عمران/ ١١٠] اور اس فریضے کو ترک کرنا باعثِ لعنت ٹھہرایا گیا ہے۔ رب ذوالجلال کا فرمان ہے: ﴿لعن الذين كفروا من بني اسرائيل علیٰ لسان داؤد وعيسى

بن مریم ذٰلک بما عصوا و کانوا یعتدون ❁ کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون❁﴾ [المائدۃ/۷۸-۷۹]

رسول اللہ ﷺ نے ''نہی عن المنکر'' کے تین درجات بیان کیے گئے ہیں: (۱) ہاتھ کی قوت سے روکنا (۲) زبان کی طاقت سے منع کرنا (۳) کم از کم دل سے نفرت کرنا۔ فرمان نبوی ہے: ''من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہٖ، فان لم یستطع فبلسانہٖ، فان لم یستطع فبقلبہٖ و ذٰلک اضعف الایمان'' [صحیح مسلم، کتاب الایمان ۲/۲۲]

راستے میں لگی ہوئی محفلوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً نیکی اور معروف پر عمل اس کے سامنے متروک ہو رہا ہو یا اسے معمولی سمجھا جانے لگے تو امر بالمعروف اس پر لازم ہو جاتا ہے۔ مثلاً نماز کی اذان ہو جائے اور حاضرین مجلس میں سے کوئی با جماعت نماز کے لے مسجد میں جانے سے کترانے لگے تو آپ پر فرض ہے کہ ان سے مؤذن کے اعلان نماز پر عمل کرائیں، اور با جماعت نماز پر آمادہ کر کے ساتھ مسجد میں لے جائیں۔ اگر مجلس میں کسی کی غیبت یا عیب جوئی ہونے لگے تو ان کو منع کریں اور اس برائی کی نشاندہی کریں، یا مجلس والے کسی گزرنے والی خاتون کی طرف نگاہ دوڑائیں یا اس پر تبصرہ کرنے لگیں تو ان کو سمجھائیں کہ یہ کام دین اسلام میں جائز نہیں۔ یہاں آپ پر لازم آتا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا دامن ہر دَم تھامے رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان برائیوں سے خود محفوظ رہنے کی اور دوسرے اہل ایمان کو محفوظ رکھنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

بعض روایات میں راستے کے چند اور حقوق کا بھی تذکرہ آیا ہے، جو درج ذیل ہیں:

[۱] ''ارشاد السبیل'' کوئی راستہ بھٹک جائے تو اس کی رہنمائی کرے، کوئی کسی کے گھر کی تلاش میں ہے تو اسے پتہ بتادے۔ یہ الفاظ سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں۔ [کتاب الادب، باب الجلوس فی الطرقات، حدیث: ۴۸۱۶ معالم السنن ۵/۱۶۰] ایک اور روایت میں ''و تھدوا الضال'' کا لفظ آیا ہے، جو ارشاد السبیل کے مترادف ہے۔

[۲] حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت کردہ حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''واغاثۃ الملھوف'' یعنی مصیبت زدہ، غمگین، مظلوم شخص کی فریاد رسی کرنا اور اس کے ساتھ تعاون کرنا۔ [سنن ابی داؤد حدیث: ۴۸۱۷ معالم السنن ۵/۱۶۱]

[۳] ایک روایت میں ''وحسن الکلام'' بھی آیا ہے۔ یعنی: اچھی بات کرنا۔

[۴] ایک روایت میں ''واعینوا علی الحمولۃ'' ہے۔ یعنی: کسی آدمی کا بوجھ لادنے یا سواری پر